ادارۃ خدمۃ القرآن الکریم کراچی

دورۃ القرآن الکریم وعلومہ

سبق نمبر (5)

زیرِ تدریس

خادم القرآن الکریم حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب دامت برکاتہم

رئیس مرکز الافتاء والارشاد گلستانِ جوہر کراچی

ہر جمعہ صبح 9:00 تا 11:00

بمقام: مسجدِ اختر گلستانِ جوہر، بلاک ۱۲، کراچی

دورۃ القرآن الکریم وعلومہ

رابطہ نمبر +92 332 3158542 +92 332 3264993

بذریعہ انٹرنیٹ LIVE موبائل ایپ Ghurfa www.HazratFerozMemon.org

تفسیر القرآن کے اعتبار سے آیاتِ قرآنی کی تقسیم

① وہ آیات جن میں اعتقاد یا کسی عمل کا ایسا حکم ہو کہ وہ سنتے ہی ہر کسی کی سمجھ میں آسکے جیسے:

① فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (سورۃ محمد، آیت ۱۹)

② مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (سورۃ الفتح، آیت ۲۹)

③ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ (سورۃ الکہف، آیت ۱۱۰)

④ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (سورۃ الاحزاب، آیت ۴۰)

⑤ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (سورۃ النور، آیت ۵۴)

⑥ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ (سورۃ البقرۃ، آیت ۴۳)

⑦ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (سورۃ البقرۃ، آیت ۱۸۵)

⑧ وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ (سورۃ آل عمران، آیت ۹۷)

⑨ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (سورۃ النمل، آیت ٦)

⑩ وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ
رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ (سورۃ التوبہ، آیت ۱۰۰)

یہ سب آیات اپنے معنی میں محکمات میں سے ہیں۔ اس قسم کی واضح آیات میں کسی خاص تفسیر کی ضرورت نہیں جس نے بھی ان پر کچھ لکھا اس کے ظاہر معنی کی حمایت میں ہی لکھا۔ دین کی عمومی سمجھ کے لیے ان کا ترجمہ جان لینا کافی ہے۔ انہیں کسی طرح اپنے ظاہر سے پھیرنا درست نہیں۔

② دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جو کلیات اور اشباہ و امثال کے درجہ میں ہیں ان کی گہرائی میں اترنا اسی طرح ہے جس طرح کنویں کے اندر اُتر کر وہاں سے پانی لانا اسے استنباط اور استخراج کہتے ہیں یہ عام آدمیوں کے بس کی بات

نہیں صرف مجتہدین ان کی گہرائی میں اترتے ہیں قرآن ہے تو سب کے لیے مگر اس کی بیان کردہ امثال کو ان عالموں کے سوا اور کوئی سمجھ نہیں پاتا۔

﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ﴾

(العنکبوت ۴۳)

ترجمہ: اور یہ امثال ہیں قرآن کی جنہیں ہم سب لوگوں کے لیے بیان کر رہے ہیں گو سمجھتے انہیں صرف (اونچے درجے کے) عالم ہیں۔

ان کلیات سے احکامِ فقہی کا استنباط احادیث کی روشنی میں ۔۔۔ قرآن کے مجملات کا بیان ۔۔۔ تخصیص عام ۔۔۔ تقیید مطلق، حقیقۃ شرعیہ اور حقیقتِ لغویہ کے موارد کو پہچاننا، تخاطبِ شرعی، تخاطبِ لغوی اور تخاطبِ عرفی کے فروق کو جاننا سب اسی ذیل میں آتا ہے ان آیات کی مراد پالینے کو کبھی تاویل بھی کہتے ہیں۔ یہ تاویل مذموم نہیں ہے۔ یہ تاویل صرف عن الظاہر کے معنوں میں نہیں ہے۔ مجتہد قرآن پاک کی اس قسم کی آیات کی تشریح میں علم عربیت، احادیث و آثار اور وقت کے تقاضوں کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔

(۳) تیسری قسم کی آیات متشابہات ہیں ان کا بیان بڑا نازک اور موضوع نہایت لطیف ہوتا ہے ان میں سلف کا مسلک یہ ہے کہ تاویل سے بچو اس کے ظاہر الفاظ پر ایمان لاؤ ان کی مرادات اللہ کے سپرد کرو اور ان کی مزید پڑتال کو بدعت سمجھو۔ سلف جس درجے میں انہیں بیان کر گئے بس وہیں تک رہو۔

﴿وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾

(آل عمران ۷)

ترجمہ: اور اس کی مراد کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور جو علم میں پختہ لوگ ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے دونوں طرح کی آیات خدا کی طرف سے ہیں۔ لیکن اسے عقل مند لوگوں کے سوا کوئی نہیں سمجھ پاتا۔

(۴) چوتھی قسم کی آیات میں اقوام سابقہ کی تاریخ کے اہم پہلو، سابق پیغمبروں کے قصص و واقعات آخرت کی

مجازات اور جنت اور دوزخ کے احوال ہیں ان سے انسان کی اخلاقی تعلیم کی تکمیل ہوتی ہے یہ آیات عام فہم ہیں اور انہیں عوام کے نصیحت پکڑنے کے لیے آسان رکھا گیا ہے۔

نوٹ: جس آیت کی تاویل کی جائے ضروری ہے کہ اسے اس سے پہلی آیت کے ساتھ موافق رکھا جائے۔ بعد کی آیت سے بھی اس کی مطابقت ہو اور اصولاً کتاب وسنت سے کہیں نہ ٹکرائے اور اس سے قرآن کریم کی بلاغت میں کوئی نقص واقع نہ ہو پائے۔

التاویل ھو صرف الایۃ الی معنی علی طریق الاستنباط بلین لھما
(موافق لما قبلھا وما بعدھا) غیر مخالف للکتاب والسنۃ

ترجمہ: تاویل آیت میں آیت کو اس بات کی طرف پھیرنا ہے جو اس سے پہلے بیان ہوئی اور جو بات بعد میں آرہی ہے یہ آیت اس کو بھی جگہ دے اور کتاب وسنت کے بھی کہیں خلاف نہ ہو۔

اس سے پہلے ہم تفسیر خازن کے حوالے سے تاویل پر تفصیلی بحث کر آئے ہیں۔

نوٹ: ضروریاتِ دین میں تاویل کسی پہلو سے قبول نہیں کی جاتی۔ انہیں اپنے ظاہر پر رکھا جاتا ہے۔ جو ان میں تاویل کرے اور انہیں ان کے معنی ظاہر سے پھیرے وہ راہ سے بھٹکا ہوا ہے، قرآن کریم میں ان ملحدین کی خبر دی گئی ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾

(حم سجدہ ۴۰)

ترجمہ: بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں ٹیڑھے چلتے ہیں وہ ہم پر مخفی نہیں رہتے کیا وہ آگ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن سے آئے اب تم جو چاہو کرتے رہو۔

----***----

علم تفسیر کے اصول

علم تفسیر کے بعض اصول تو وہ ہیں جو قرآن پاک سے مستنبط ہوئے ہیں، کچھ اصول وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائے اور کچھ اصول وہ ہیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو سامنے رکھ کر وضع کیے اور کچھ اصول وہ ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو سامنے رکھ کر وضع کیے اور کچھ اصول وہ ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر اور اپنی بصیرت سے کام لے کر مرتب کیے بعد میں آنے والوں نے ان کو قبول کیا اور یوں ان پر اجماعِ امت ہو گیا۔

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے علوم تفسیر کی تدوین یا اصولِ تفسیر کی تحدید و تعیین میں نمایاں کام کیا، جن کے خیالات اور جن کے کام کا اصول تفسیر کی تدوین پر نہایت گہرا اثر ہے ان میں سب سے نمایاں نام تو خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم میں بھی خاص طور پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نام بہت نمایاں ہے۔سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو خود رسول اللہ ﷺ نے علم کی کثرت کی گواہی دی تھی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بچپن سے حضور ﷺ کی سرپرستی اور راہنمائی میں تربیت پانے کا موقع ملا۔

خلفاء اربعہ کے بعد جو نام سب سے نمایاں ہیں، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور خواتین میں خاص طور پر حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے نام زیادہ نمایاں ہیں۔ان تمام ناموں میں بھی سب سے زیادہ تفسیری اقوال حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ہیں۔اس کی وجہ بھی واضح ہے کہ ان حضرات کی عمریں نسبتاً زیادہ طویل ہوئیں اور ان کو کم سنی میں براہ راست رسول اللہ ﷺ کی تربیت میں رہنے اور شب و روز دین سیکھنے کا اتفاق ہوا۔

جب تابعین رحمۃ اللہ علیہم کا دور آیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد میں کمی آئی تو اس بات کی زیادہ ضرورت پیش آئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا علم تابعین تک منتقل ہو۔اس لیے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عمریں زیادہ ہوئیں ان کی تفسیری روایات زیادہ ہیں اس لیے ان سے استفادہ کا تابعین کو زیادہ موقع ملا۔

تفسیر کے ماخذ

"علم تفسیر" کے اس مختصر تعارف کے بعد سب سے ضروری بحث یہ ہے کہ "تفسیر قرآن" کے مآخذ کیا ہیں؟ یعنی وہ کیا ذرائع ہیں جن سے ہم کسی آیت کی تفسیر معلوم کر سکتے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں قدرے تفصیل کی ضرورت ہے جو ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔

سب سے پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ آیاتِ قرآنی دو قسم کی ہیں، بعض آیات تو اتنی صاف، واضح اور آسان ہیں کہ جو زبان جاننے والا انہیں پڑھے گا، اُن کا مطلب فوراً سمجھ میں آجائے گا، اسی لیے ایسی آیتوں کی تفسیر میں کسی اختلاف رائے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ایسی آیات کی تفسیر کا ماخذ تو صرف "لغتِ عرب" ہے، عربی زبان پر ماہرانہ نظر اور عقل سلیم کے سوا اُن کا مطلب سمجھنے کے لیے کسی چیز کی ضرورت نہیں، لیکن دوسری قسم اُن آیات کی ہے جن میں کوئی اجمال، ابہام، یا تشریحی دشواری پائی جاتی ہے، یا اُن کو پوری طرح سمجھنے کے لیے اُن کے پورے پس منظر کو سمجھنے کی ضرورت ہے، یا اُن سے دقیق قانونی مسائل یا گہرے اسرار و معارف مستنبط ہوتے ہیں، ایسی آیات کی تشریح کے لیے محض زباں دانی کافی نہیں، بلکہ اس کے لیے بہت سی معلومات کی ضرورت ہے، آگے اسی قسم کی آیات کی تفسیر کے مآخذ بیان کیے جا رہے ہیں: اس لحاظ سے "تفسیر قرآن" کے کل چھ مآخذ ہیں، خود قرآن کریم احادیثِ نبویہ ﷺ، صحابہؓ کرامؓ کے اقوال، تابعین کے اقوال، لغتِ عرب اور عقلِ سلیم، ذیل میں ان تمام مآخذ کی تھوڑی سی تفصیل اور علمِ تفسیر میں اُن کے مقام کے بارے میں چند مباحث پیشِ خدمت ہیں:

① تفسیر القرآن بالقرآن

(قرآن کریم کی تفسیر قرآن سے)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے تفسیر قرآن کا یہ ایک تسلیم شدہ اور طے شدہ اصول چلا آرہا ہے کہ قرآن مجید کا ایک حصہ اس کے دوسرے حصہ کی تشریح اور تعبیر کرتا ہے، اَلْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں بعض جگہ ایک چیز اجمال کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ وہی چیز آگے چل کر کسی اور جگہ تفصیل کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے۔ بعض جگہ ایک چیز عمومی انداز میں بیان ہوئی ہے۔ آگے چل کر اس کی تخصیص کر دی گئی ہے اور کہیں

دورۃ القرآن الکریم وعلومہٗ ہر جمعہ صبح 9:00 تا 11:00 بمقام: مسجد اختر گلستانِ جوہر، بلاک ۱۲، کراچی
رابطہ نمبر +92 332 3158542 +92 332 3264993
بذریعہ انٹرنیٹ LIVE موبائل ایپ Ghurfa www.HazratFerozMemon.org

کہیں اسبابِ تخصیص اور موجبات تخصیص کو بھی ساتھ بیان کر دیا گیا ہے اور بتادیا گیا ہے کہ متعین طور پر اس خاص حکم کا اطلاق کہاں کہاں ہوتا ہے۔

مثال (۱) :

تفسیر القرآن بالقرآن کی چند مثالیں عرض کرتا ہوں۔سورہ فاتحہ میں ہم سب یہ آیت تلاوت کرتے ہیں جس میں یہ دعا کی جاتی ہے کہ اے اللہ! ان لوگوں کا راستہ ہم لوگوں کو دکھا جن پر تو نے اپنا انعام فرمایا ہے۔ یہاں اس آیت میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ وہ کون لوگ تھے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا۔ اس اعتبار سے اس جگہ اس آیت میں اجمال پایا جاتا ہے لیکن آگے چل کر ایک دوسری جگہ ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ (سورۃ النساء آیت ۶۹) میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ وہ چار طرح کے لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام فرمایا، انبیاء کرام علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ گویا اس تفصیلی آیت میں سورۃ نساء میں آئی ہے، اس کے ذریعے سے سورۃ فاتحہ میں آنے والے اس ایک لفظ کی، جو مجمل تھا، وضاحت کر دی گئی۔ اس مثال سے واضح ہوگیا کہ قرآن مجید کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی وضاحت کس طرح کرتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم نے اس پہلو پر غور کیا اور غور وخوض کرنے کے بعد انہوں نے ان تمام آیات کی نشان دہی کر دی جن کی تفسیر وتشریح کے لیے قرآن مجید ہی کی دوسری آیات سے راہنمائی کی ضرورت پیش آتی ہے۔قرآن مجید کا انداز یہ ہے کہ اگر اس میں ایک جگہ ایجاز ہے تو دوسری جگہ اطناب ہے۔ بعض جگہ اجمال ہے تو دوسری آیت میں اس اجمال کی تفصیل موجود ہے۔ کسی جگہ اطلاق ہے تو کسی اور جگہ اس کی تقیید ہے۔ کہیں عام حکم ہے تو دوسری جگہ اس کی تخصیص کر دی گئی ہے۔

مثال (۲) :

مثال کے طور پر سورۂ بقرہ میں ایک جگہ آیا ہے۔ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ (سورۃ بقرۃ، آیۃ ۳۷) کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے بعض کلمات سیکھ لیے اور ان کلمات کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ نے ان کی دعا قبول کر لی۔سورۂ بقرہ کے اس مقام پر صرف اتنا ہی ذکر ہے۔ یہاں یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ کیا کلمات

تھے جن کے ذریعے سے حضرت آدم علیہ السلام نے توبہ کی اور وہ قبول ہوئی۔ لیکن ایک دوسری جگہ ان کلمات کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت ہے کہ وہ کلمات یہ تھے۔ رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا وَ اِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَ تَرۡحَمۡنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ (سورۃ الاعراف، آیۃ ۲۳) گویا یہاں سے سورۂ بقرہ کی اس آیت کا مطلب حتمی طور پر متعین ہو جائے گا۔

مثال (۳) :

بعض جگہ مطلق لفظ استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اس میں آگے چل کر کچھ قیود متعین کر دی گئیں جن کی روشنی میں اور جن کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اس مطلق حکم پر عمل کیا جائے گا۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے کہ اگر فلاں غلطی ہو جائے تو اس کے کفارہ کے طور پر ایک غلام آزاد کرو، تقریباً تین چار جگہ ایسا حکم آیا ہے۔ ان تین چار مقامات میں سے ایک جگہ یہ حکم ایک قید کے ساتھ آیا ہے، فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ مُّؤۡمِنَۃٍ (سورۃ النساء، آیۃ ۹۲) کہ ایک صاحب ایمان غلام کو آزاد کرو۔ گویا صاحبِ ایمان کی قید ہے تو ایک جگہ، لیکن شافعیہ کے ہاں وہ سب پر منطبق ہو گی۔ جہاں جہاں بطور کفارہ غلام آزاد کرنے کا ذکر ہے وہاں سب جگہ یہی سمجھا جائے گا کہ صاحبِ ایمان غلام آزاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ گویا قرآن مجید کے اطلاق کی تقیید ہے۔

مثال (۴) :

بعض جگہ عام لفظ آتا ہے جس میں بہت سے اجزاء یا افراد شامل ہو سکتے ہیں۔ لیکن دوسری آیات میں یہ تخصیص کر دی گئی ہے کہ فلاں فلاں قسمیں، اجزاء یا افراد اس عام حکم میں شامل نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر ایک جگہ آیا ہے۔ اُحِلَّتۡ لَکُمۡ بَہِیۡمَۃُ الۡاَنۡعَامِ اِلَّا مَا یُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ (سورۃ المائدۃ، آیۃ ۱) یعنی جتنے چوپائے جانور ہیں وہ تمہارے لیے حلال قرار دیئے گئے سوائے ان کے جن کے بارے میں آگے تلاوت کی جائے گی۔ اب دیکھنا پڑے گا کہ آگے کیا تلاوت کیا گیا ہے۔ آگے جو تلاوت کیا گیا، وہ یہ ہے کہ حُرِّمَتۡ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَۃُ وَ الدَّمُ وَ لَحۡمُ الۡخِنۡزِیۡرِ وَ مَاۤ اُہِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰہِ بِہٖ وَ الۡمُنۡخَنِقَۃُ وَ الۡمَوۡقُوۡذَۃُ وَ الۡمُتَرَدِّیَۃُ وَ النَّطِیۡحَۃُ وَ مَاۤ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیۡتُمۡ ۟ وَ مَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَ اَنۡ تَسۡتَقۡسِمُوۡا بِالۡاَزۡلَامِ ؕ ذٰلِکُمۡ فِسۡقٌ (سورۃ المائدۃ، آیۃ ۳) یعنی پانچ قسم کے چوپائے جائز نہیں ہیں تم پر مردار جانور اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور حرام کر دیا گیا ہے جس پر

دورۃ القرآن الکریم و علومہ ہر جمعہ صبح 9:00 تا 11:00 بمقام: مسجد اختر گلستانِ جوہر، بلاک ۱۲، کراچی
رابطہ نمبر +92 332 3158542 +92 332 3264993
بذریعہ انٹرنیٹ LIVE موبائل ایپ Ghurfa www.HazratFerozMemon.org

اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو اور وہ جو گلا گھٹنے سے مرا ہو، اور جسے چوٹ مار کر ہلاک کیا گیا ہو، اور جو اوپر سے گر کر مرا ہو۔ اور جسے کسی جانور نے سینگ مار کر ہلاک کیا ہو، اور جسے کسی درندے نے کھالیا ہو، الا یہ کہ تم (اس کے مرنے سے پہلے) اس کو ذبح کر چکے ہو، اور وہ (جانور بھی حرام ہے) جسے بتوں کی قربان گاہ پر ذبح کیا گیا ہو۔ اور یہ بات بھی (تمہارے لیے حرام ہے) کہ تم جوے کے تیروں سے (گوشت وغیرہ) تقسیم کرو۔ یہ ساری باتیں سخت گناہ کی ہیں۔

یہ پانچ اقسام جائز نہیں ہیں، باقی جائز ہیں۔ گویا ان دونوں آیتوں کو ملا کر پڑھا جائے اور پھر دونوں آیات کو سامنے رکھ کر حکم معلوم کیا جائے گا۔ لہٰذا کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ چونکہ سورۃ الانعام میں عمومی حکم ہے، اس لیے سب چوپائے جائز ہیں۔ ایک آیت کو دوسری آیت یا آیات کی مدد سے سمجھنے کا یہ طریقہ اور انداز ہے، تفسیر القرآن بالقرآن کہا جاتا ہے۔

مثال (۵) :

نیز ایک مقام پر ارشاد ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ (التوبۃ ۱۱۹)

اے ایمان والوں! اللہ سے ڈرو، اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔

یہاں یہ نہیں بتایا گیا کہ "سچے لوگوں" سے کون مراد ہیں؟ لیکن ایک دوسری آیت میں اس کی تشریح فرمادی گئی ہے، ارشاد ہے:

﴿لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِیّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ ۙ وَ السَّآىِٕلِیْنَ وَ فِی الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَ الصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِیْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ (البقرۃ ۱۷۷)

"نیکی تو بس یہی تو نہیں ہے کہ اپنے چہرہ مشرق یا مغرب کی طرف کرلو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر اور اللہ کی کتابوں اور اس کے نبیوں پر ایمان لائیں، اور اللہ کی محبت میں اپنا مال رشتہ داروں

،یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو دیں، اور غلاموں کو آزاد کرانے میں خرچ کریں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور جب کوئی عہد کرلیں تو اپنے عہد کو پورا کرنے کے عادی ہوں، اور تنگی اور تکلیف میں، نیز جنگ کے وقت، صبر استقلال کے خوگر ہوں، ایسے لوگ ہیں جو سچے (کہلانے کے مستحق) ہیں، اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں۔"

اس آیت نے یہ بات واضح فرمادی کہ "صادقین" سے مراد وہ لوگ ہیں جن میں مذکورہ بالا صفات پائی جاتی ہوں، یہ صرف تین مثالیں تھیں، قرآن کریم میں اس قسم کی بہت سی آیات موجود ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے ایک اور اصول نکالا اور وہ یہ تھا کہ بعد میں آنے والا ہر حکم پہلے دیئے جانے والے احکام کو Qaulify کرتا ہے، یعنی ہر حکم کو بعد میں آنے والے حکم کی روشنی میں پڑھا جائے گا۔ اب یہ دنیا کے ہر قانون کا طے شدہ اصول بن چکا ہے۔ اس وقت دنیا میں کوئی نظام قانون ایسا نہیں ہے جس کی تعبیر اور اور تشریح کے اصولوں میں یہ بات شامل نہ ہوگئی ہو کہ ہر سابقہ قانون کو بعد کے قانون کی روشنی میں سمجھا جائے گا۔ یہ اصول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دین ہے، اب یہ دنیا کے تمام قوانین میں ایک بنیادی اور طے شدہ اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی جس شخصیت نے سب سے زیادہ اس اصول کو وضاحت سے بیان فرمایا وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان سے کسی نے عدت کے بارے میں سوال کیا۔ اب قرآن مجید میں عدت کے بارے میں تین آیات آئی ہیں اور تینوں میں تین مختلف احکامات بیان ہوئے ہیں۔ تو میں جس صورتحال کا حل معلوم کرنا چاہتا ہوں اس میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ آپ نے یہ سوال سننے کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ سورۃ طلاق، سورۃ بقرہ کے بعد نازل ہوتی تھی۔ آپ نے اس سائل کے سوال کے جواب میں صرف یہ مختصر سا جواب دیا۔ اس جواب سے پوچھنے والے صاحب سمجھ گئے کہ سورۃ طلاق میں جو حکم بیان ہوا ہے اس کو سورۃ بقرۃ کے حکم کی روشنی میں سمجھا جائے گا اور سورۃ بقرہ کے حکم کو عملی حالات پر منطبق کرتے وقت سورۃ طلاق کے حکم کو پیش نظر رکھا جائے گا۔ جب دونوں کو ملا کر پڑھا جائے گا تو صورتحال واضح ہوگی۔ گویا قانون کی تمام متعلقہ دفعات کو ملا کر پڑھا جائے گا۔ پھر حکم نکالا جائے۔ اس لیے کہ قانون ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے، اس کو الگ الگ متعارض ٹکڑوں میں نہیں بانٹا جاسکتا۔ اس لیے قانون کی کسی ایک دفعہ کو نہ دوسری دفعات سے الگ کرکے نافذ کیا جاسکتا ہے اور نہ دونوں دفعات کی الگ الگ تعبیر کی جاسکتی ہے۔ گویا قانون کی روح اور اس کی دیگر دفعات کو نظر انداز کرکے اس کی کسی ایک دفعہ کی الگ تھلگ تعبیر نہ کی جائے۔

یہ اصول حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے اتفاق فرمایا۔ آج یہ دنیا کے ہر نظام قانون کا بنیادی اصول ہے۔ اس طرح کی اور بھی بہت ہی مثالیں موجود ہیں، جن سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اس بارہ میں کبھی بھی کوئی اختلاف نہیں رہا کہ قرآن مجید کا ایک حصہ دوسرے کی تفسیر کرتا ہے اور جب کسی آیت سے راہنمائی لینی ہو۔ تو اس کی ہم مضمون تمام آیات کو سامنے رکھا جائے اور ان سب پر غور کرنے کے بعد ہی اس آیت کا مفہوم متعین کیا جائے۔

② تفسیر القرآن بالسنّة

(قرآن کریم کی تفسیر سنت سے)

قرآن مجید کے بعد تفسیر کا دوسرا ماخذ احادیث مبارکہ اور سنت رسول ﷺ ہے۔ قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کے فرائض کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ یعنی آپ ﷺ کا کام یہ ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے اس کلام کی وضاحت کر دیں اور اس ہدایت کو کھول کھول کر بیان کر دیں جو ان کی طرف اتاری گئی۔ گویا قرآن مجید کے معانی کی وضاحت اور تشریح پیغمبرانہ فرائض میں شامل تھی۔ نیز ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (آل عمران ۱۶۴)

”حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں پر بڑا احسان کیا کہ اُن کے درمیان اُنہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، اُنہیں پاک صاف بنائے اور اُنہیں کتاب اور کتاب حکمت کی تعلیم دے، جبکہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے“

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾ (النساء ۱۰۵)

بیشک ہم نے حق پر مشتمل کتاب تم پر اس لیے اُتاری ہے کہ تم لوگوں کے درمیان اس طریقے کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے تم کو سمجھا دیا ہے۔ اور سورۃ النحل میں ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ (النحل ۶۴)

”اور ہم نے تم پر یہ کتاب اُتاری ہے تا کہ تم ان کے سامنے وہ باتیں کھول کھول کر بیان کر دو جن میں انہوں نے مختلف راستے اپنائے ہوئے ہیں اور تا کہ یہ ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت کا سامان ہوں۔“

ان آیات میں خود قرآن کریم نے یہ واضح فرمادیا ہے کہ سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کو دنیا میں مبعوث فرمانے کا مقصد ہی یہ تھا کہ آپ ﷺ دنیا کو قرآن کریم کی ہدایات اور اس کے اسرار و معارف سے آگاہ کریں، اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کے طریقے سکھلائیں، اس لئے خود قرآن کریم ہی سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ آپ کی تعلیمات تفسیر قرآن کا اہم ترین ماخذ ہیں، یوں بھی اس بات کے لیے لمبی چوڑی منطق کی ضرورت نہیں کہ کسی آسمانی کتاب کی صحیح تشریح اس سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے جس پر وہ کتاب نازل ہوئی، اس دنیا میں اس سے بڑا احمق کوئی نہیں ہوسکتا جو یہ کہے کہ قرآن کریم نازل تو آنحضرت ﷺ پر ہوا تھا، لیکن اس کی تفسیر میں زیادہ جانتا ہوں۔

بعض لوگ یہ مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں، کہ قرآن کریم کی تفسیر میں آنحضرت ﷺ کے ارشادات کی اہمیت تو مسلّم ہے، مگر چونکہ وہ ارشادات ہم تک قابل اعتماد ذرائع سے نہیں پہنچے، اس لئے ہم اُن پر بھروسہ نہیں کر سکتے ،لیکن اس مغالطے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف تو آنحضرت ﷺ کو قرآن کریم کا معلّم بنا کر بھیجا اور بار بار یہ واضح فرمایا کہ آپ ﷺ کو کتاب اللہ کی تشریح و توضیح کے لئے بھیجا جارہا ہے، اس لئے قیامت تک تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات کی پیروی کریں، اور دوسری آپ ﷺ کی تعلیمات و تشریحات کو قیامت تک باقی رکھنے کا کوئی محفوظ انتظام نہیں فرمایا، کیا یہ بات کوئی ایسا شخص کہہ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ پر ایمان رکھتا ہو؟ اور جس نے قرآن کریم میں یہ آیت پڑھی ہو کہ:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرۃ ۲۸۶)

” اللہ کسی بھی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں سونپتا۔“

بعض لوگ یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنے زمانے کے لئے تو معلّم قرآن تھے، لیکن ہمارے زمانے میں (معاذ اللہ) آپ ﷺ کی تعلیمات کی ضرورت نہیں رہی، لیکن اس بے تکی بات کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ جن کی مادری زبان عربی تھی جو اس کے ایک ایک لفظ کا لغوی اور محاوراتی مفہوم جانتے تھے، جو نزولِ قرآن کے پورے ماحول سے نہ صرف باخبر تھے بلکہ اس سے عملاً گزر رہے تھے، اور جو ایک ایک آیت کے پورے پس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، اُنہیں تو کسی پیغمبر کی تعلیم کے بغیر قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا

تھا، اور ان کے مقابلہ میں اس زمانے کے لوگ جن کی نہ مادری زبان عربی ہے، نہ نزول قرآن کا ماحول سامنے ہے اور نہ اس کے پس منظر سے آگاہ ہیں اُن کو قرآن کریم کی تفسیر جاننے کے لیے کسی پیغمبر کی راہنمائی کی ضرورت نہیں؟ اگر ذہن میں عقل وخرد اور دل میں عدل وانصاف کی ادنیٰ رمق باقی ہو تو اس بے سروپا بات کو کون باور کرسکتا ہے؟

یہ ایک بڑا مفصل موضوع ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تعلیمات جن ذرائع سے ہم تک پہنچی ہیں وہ کتنے قابلِ اعتماد ہیں؟ اس موضوع کی تحقیق کے لیے علم حدیث اور اسماء الرجال کے پورے کتب خانے موجود ہیں، اور اپنی نفسانی خواہشات کے لیے زبردستی شرعی جوازِ ڈھونڈنے کی بات تو الگ ہے، لیکن اگر سچے دل سے ان علوم کا مطالعہ کیا جائے تو انسان اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کو یوں ہی رہتی دنیا تک واجب الاتباع قرار نہیں دیا بلکہ ان کی حفاظت کا انتظام فرمایا ہے کہ اس کی تفصیلات دیکھ کر عقلِ انسانی دنگ رہ جاتی ہے، حدیث کے دوسرے شاخ درشاخ علوم کو چھوڑ کر صرف ایک اسماء الرجال کے علم ہی کو دیکھ لیجیے تو وہ اس امّت کا ایسا قابلِ فخر اور محیّر العقول کارنامہ ہے جس کی نظر دنیا کی کوئی قوم پیش نہیں کرسکتی، آنحضرت ﷺ سے لے کر ہماری زمانے تک جس کسی شخص نے کوئی حدیث کہیں بیان کی ہے، اس علم کی کتابوں میں اس کا پورا کچا چٹھا وضاحت کے ساتھ موجود ہے، کہ وہ کہاں پیدا ہوا؟ کس کس سے احادیث کا علم حاصل کیا؟ کن کن راویوں سے اس کی ملاقات ہوئی؟ اس کا عام کردار کیسا تھا؟ قوّتِ حافظہ کس درجہ کی تھی؟ روایت بیان کرتے ہوئے احتیاط کو کس حد تک مدِنظر رکھتا تھا، اُس کے ہمعصر اور بعد کے علماء نے اس کے بارے میں کیا رائے ظاہر کی ہے؟ آج بھی حدیث کی کسی کتاب میں جس حدیث کے جس راوی کا نام چاہیے نکال لیجیے، اسماء الرجال کی کتابوں میں اُس کے متعلق مذکورہ بالا سوالات کا جواب مل جائے گا۔

یہاں حدیث کی حفاظت کے موضوع پر کوئی مفصل بحث پیش نظر نہیں، اسکے لیے تدوین حدیث پر لکھی ہوئی بہت سی مبسوط کتابیں موجود ہیں، لیکن یہاں صرف اتنا اشارہ کرنا مقصود تھا کہ قرآن کریم کی تفسیر کے معاملے میں آنحضرت ﷺ کی احادیث سے افکار واعراض ایک ایسا طرزِ عمل ہے جس پر قرآن کریم، عقل عام اور واقعاتِ تاریخ کسی بھی اعتبار سے غور کیجیے نتیجہ ہمیشہ یہی نکلے گا کہ اس کی بنیاد میں معقولیت کا کوئی چھینٹا بھی نہیں پڑا۔

البتہ یہ درست ہے کہ احادیث کے موجودہ ذخیرے میں صحیح وسقیم ہر طرح کی روایات ملتی ہیں، لہٰذا جو روایت جہاں مل جائے اُسے پڑھ کر کوئی فیصلہ کرلینا درست نہیں بلکہ اصول حدیث کے مطابق اسے اچھی طرح جانچنے کی ضرورت

ہے، کہ وہ ان اصولوں پر پوری اترتی ہے یا نہیں، خاص طور سے تفسیر کی کتابوں میں جو روایات ملتی ہے اُن کی چھان پھٹک اس لیے زیادہ ضروری ہے کہ بیشتر مفسرین نے اپنی کتابوں میں ہرطرح کی روایتیں صرف جمع کر دی ہیں، محدثانہ طریقے پر اُن کی تحقیق وتفتیش کی بحث کو نہیں چھیڑا، لہٰذا ان روایات سے ٹھیک ٹھیک استفادہ وہی شخص کرسکتا ہے جو علم حدیث اور اس کے متعلقات پر ماہرانہ نگاہ رکھتا ہو، اور جسے صحیح وسقیم روایات کو پرکھنے کے اصول معلوم ہوں۔

احادیث میں ایسی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کسی آیت کی تفسیر پوچھی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت فرمادی۔ اگر قرآن مجید میں کوئی مجمل تھی تو آپ ﷺ نے اس کی تفصیل بیان کر دی۔ اگر قرآن مجید میں کوئی چیز عام تھی تو آپ ﷺ نے اس کی تخصیص فرمادی۔ اور اس کے بعد وہ چیز قرآن مجید کی تفسیر کا حصہ بن گئی۔

مثال (۱) :

سورۃ فاتحہ میں ہم دن میں کم از کم سترہ مرتبہ اللہ تعالیٰ سے جو دعا کرتے ہیں اس میں یہ الفاظ بھی شامل ہوتے ہیں: غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہ اے اللہ تعالیٰ! ہم لوگوں کو ان کے راستے پر نہ چلانا جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ ہی ان لوگوں کے راستے پر چلانا جو گمراہ ہوئے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ گمراہ کون لوگ ہیں، مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کون ہیں۔ اس سے کیا مراد ہے۔ گمراہ تو لوگ ہر دور میں ہوتے رہے ہیں۔ مشرق میں بھی ہوتے ہیں اور مغرب میں بھی، بلکہ مسلمانوں میں بھی کچھ لوگ گمراہ ہو سکتے ہیں۔ لیکن حضور ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ اس آیت میں مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد یہودی ہیں اور ضَآلِّيْنَ سے مراد یہاں عیسائی ہیں۔ یعنی یہودیوں اور عیسائیوں دونوں سے اپنے اپنے زمانہ میں جو گمراہیاں اور غلطیاں سرزد ہوئیں ان سے اللہ تعالیٰ ہمیں بچائے اور دونوں کے راستے پر چلنے سے اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

مثال (۲) :

تفسیر بالسنّہ کی ایک دوسری مثال لیجیے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے قرآن میں پڑھا، اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ان کا ایمان کسی معمولی سے بھی ظلم سے ملوث نہیں ہوا، وہی لوگ ہیں جو امان میں ہوں گے اور وہی لوگ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں۔

دورۃ القرآن الکریم وعلومہٗ ہر جمعہ صبح 9:00 تا 11:00 بمقام: مسجد اختر گلستانِ جوہر، بلاک ۱۲، کراچی
رابطہ نمبر +92 332 3158542 +92 332 3264993
بذریعہ انٹرنیٹ LIVE موبائل ایپ Ghurfa www.HazratFerozMemon.org

صحابی رضی اللہ عنہ کو یہ آیت پڑھ کر بہت خوف محسوس ہوا۔ انہوں نے سوچا کہ ہم میں سے کون ہے جس سے ظلم کا ارتکاب نہیں ہوتا۔ کبھی کسی قسم کا ظلم سرزد ہوجاتا ہے اور کبھی کسی قسم کا۔ کسی کے ایمان پر ظلم کی پرچھائی بھی کبھی نہ پڑی ہو! یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ سوچ کر وہ صحابی رضی اللہ عنہ بڑی پریشانی کے عالم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی پریشانی کی وجہ بیان کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا کہ ظلم سے مراد یہاں شرک ہے۔ جیسا کہ قرآنی آیت میں بتایا گیا ہے، اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ کوئی عام قسم کی زیادتی یا کوئی ادنیٰ درجہ کا ظلم نہیں ہے۔

****

تفسیر قرآن کا بہت بڑا حصہ وہ ہے جو امت کے اجتماعی طرزِ عمل کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے، یہ اجتماعی طرزِ عمل ہر دلیل سے بڑھ کر اور ہر شک وشبہ سے ماوراء ہے۔ اس کو اسی طرح قطعیت حاصل ہے جس طرح قرآنِ مجید کو حاصل ہے۔ نمازیں پانچ ہیں۔ فجر کی دو رکعتیں، ظہر کی چار، عصر کی چار، مغرب کی تین اور عشاء کی چار۔ ان چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کم وبیش ایک لاکھ صحابہ کو عملی تربیت دے دی کہ وہ اس طرح سے نمازیں پڑھنی شروع کر دیں۔ پھر ان ایک ڈیڑھ لاکھ صحابہ نے مزید لاکھوں تابعین کو تربیت دی۔ تابعین نے آگے چل کر دسیوں لاکھ، بلکہ شاید کروڑوں، تبع تابعین کو تربیت دے دی۔ اس طرح یہ سب چیزیں اجتماعی نقل اور اجتماعی عمل کے ذریعے سے آگے منتقل ہو رہی ہیں۔

بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی سادہ لوحی کی بناء پر بعض احکام کو سمجھنے میں دقّت بھی پیدا ہوتی تھی۔ جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی کہ اس وقت تک سحری کھا سکتے ہیں جب تک سفید دھاگہ کالے سے ممتاز نہ ہوجائے۔ چنانچہ ایک صحابی حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے دو دھاگے لیے اور اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیے اور تھوڑی تھوڑی دیر میں دیکھتے رہے کہ سفید دھاگا کالے دھاگے سے الگ ہوتا ہے یا نہیں۔ بہت دیر ہوگئی اور سورج نکل آیا۔ لیکن ان کا سفید دھاگا کالے دھاگے سے نہ الگ ہونا تھا، نہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے تو پتہ ہی نہیں چل سکا کہ میرا سفید دھاگا کالے دھاگے سے الگ ہوا یا نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے کالا اور سفید دھاگا کہاں دیکھا تھا؟ عرض کیا کہ میں نے اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیا تھا، وہیں دیکھتا رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا کہ تمہارا تکیہ تو بڑا وسیع وعریض ہے۔ پورے افق پر پھیلا ہوا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے مراد سورج کی وہ پُو ہے جو پھٹتی ہے۔ دھاگے سے مراد نور کی وہ ڈوری ہے جو افق پر پھیل جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ پہلے ایک سیاہی پھیلتی ہے اور اس کے بعد ایک سفید دھاگا سا پھیلتا ہے جو اس امر کا اشارہ ہوتا ہے کہ فجر طلوع ہوگئی۔ ان دھاگوں سے یہی مراد ہے۔ اب ان کی سمجھ میں آیا۔

مثال (۳) :

ایک اور مثال: قرآن مجید میں آیا ہے۔ وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا (سورۃ مائدہ آیت ۳۸) چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہاں ایدی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جو جمع ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہ کو خیال ہوا کہ شاید دونوں ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے دایاں ہاتھ مراد ہے اور صرف دایاں ہاتھ ہی کاٹنے کا حکم ہے۔

③ تفسیر القرآن بأقوال الصحابہ رضی اللہ عنہم

(قرآن کریم کی تفسیر اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے)

تیسری چیز جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تفسیر قرآن کے کام میں پیش نظر رکھتے تھے وہ ان کی اپنی فہم و بصیرت اور اجتہاد تھا جس سے کام لے کر وہ ایسے ایسے نکتے قرآن مجید کی آیات سے حاصل کرلیا کرتے تھے کہ جن کی طرف عام لوگوں کی نظر نہیں جاتی تھی۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا فرمان:

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ صحابہ سے قرآن سمجھنے کی اہمیت اس طرح بیان کرتے ہیں:

اذا لم نجد التفسير فى القرآن ولا فى السنة رجعنا فى ذلك الى اقوال الصحابه فانهم ادرى بذلك لما شاهدوه من القرآن والاحوال التى اختصوا بها ولما لهم من الفهم التام والعلم الصحيح العمل الصالح لاسيما علماؤهم و كبراؤهم كالائمة اوالخلفاء الراشدين والائمة المهديين مثل عبد الله بن مسعود رضى الله عنه۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۱۳، ص ۳۶۴)

مثال (۱) :

چنانچہ جب سورۃ النصر نازل ہوئی جس میں نصرت خداوندی کی تکمیل اور لوگوں کے جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے کا تذکرہ ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت خوش ہوئے، لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ سورت سن کر رو پڑے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ روکیوں پڑے؟ یہ تو خوشی کا موقع ہے! آپ نے فرمایا کہ یہ تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی پیش گوئی

معلوم ہوتی ہے۔اب ظاہری الفاظ کے ذریعے سے تو سورۃ نصر سے ایسا کوئی مفہوم نہیں نکلتا کہ جس سے سرکار رسالت مآب ﷺ کے انتقال کا اشارہ ملتا ہو۔ یہاں تو صرف یہ کہا جارہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی مدد آ گئی، فتح بھی مکمل ہو گئی اور آپ ﷺ نے لوگوں کو دیکھ لیا کہ دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں تو اب حمد اور استغفار کیجیے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات توبہ قبول کرنے والی اور بندوں کی طرف رحمت و شفقت سے رجوع کرنے والی ہے۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے محسوس فرمایا کہ یہاں رجوع اور انابت کا تذکرہ ہے۔ جب تمام فتوحات مکمل ہو گئیں اور لوگ اسلام میں داخل ہو گئے تو آپ ﷺ کا کام بھی پایہ تکمیل تک پہنچ گیا اور جب کام ختم ہو گیا تو اب صرف تشریف لے جانا باقی رہ گیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نگاہ وہاں تک پہنچی جہاں تک عام صحابہ رضی اللہ عنہ کی نظر نہیں پہنچی تھی یہ آپ کے فہم و بصیرت کی دلیل ہے۔

مثال (۲) :

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی، اس وقت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہی کیفیت ہوئی۔ وہ رو پڑے اور کہا کہ یہ تو حضور ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کی بات معلوم ہوتی ہے۔ اس واقعہ کے ٹھیک ۸۱ دن بعد واقعی حضور ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فہم و بصیرت کا وہ بلند مقام رکھتے تھے کہ ان کی توقع، اندازہ اور پیش بندی کی مطابق قرآن مجید میں کم و بیش سترہ مقامات پر آیات نازل ہوئیں۔ گویا یہ سترہ آیات وہ ہیں کہ جہاں انہوں نے اندازہ کیا کہ اس معاملہ میں اسلام کی روح اور مزاج کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں اس طرح کا حکم ہونا چاہیے، وہاں اسی طرح کا حکم بالآخر نازل ہو گیا۔ گویا شریعت کی مزاج شناسی اور قرآن کی روح میں بالکل ڈوب جانے کے بعد یہ کیفیت پیدا ہو سکتی ہے۔ بالفاظ دیگر سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ قرآں مجید کے رنگ میں اس طرح رنگ گئے تھے کہ ان کی زبان سے جو نکلا وہ بالآخر وحی الٰہی میں شامل ہو گیا۔

④ تفسیر القرآن بأقوال التابعین رحمہم اللہ

(قرآن کریم کی تفسیر اقوالِ تابعین رحمہم اللہ سے)

تابعین سے مراد وہ حضرات ہیں، جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا، اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے

کہ تفسیر میں تابعین کے اقوال حجت ہیں یا نہیں؟ حافظ ابن کثیرؒ نے اس سلسلے میں بہترین محاکمہ کیا ہے، اُن کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ تابعی اگر کوئی تفسیر کسی صحابی سے نقل کر رہا ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو صحابہؓ کرامؓ کی تفسیر کا ہے، اور اگر خود اپنا قول بیان کرے تو یہ دیکھا جائے گا کہ دوسرے کسی تابعی کا قول اس کے خلاف ہے یا نہیں؟ اگر کوئی قول اس کے خلاف موجود ہو تو اس وقت تابعی کا قول حجت نہیں ہوگا بلکہ اس آیت کی تفسیر کے لیے قرآن کریم، لغتِ عرب، احادیثِ نبویہ ﷺ، آثارِ صحابہؓ اور دوسرے شرعی دلائل پر غور کرکے کوئی فیصلہ کیا جائے گا، اور اگر تابعین کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہو تو اس صورت میں بلاشبہ اُن کی تفسیر حجت اور واجب الاتباع ہوگی۔"

⑤ تفسیر القرآن باللغۃ العربیۃ

(قرآن کریم کی تفسیر لغتِ عرب سے)

پیچھے بتایا جاچکا ہے کہ قرآن کریم کی جس آیت کا مفہوم بدیہی طور پر واضح ہو، اور جس کے مفہوم میں کوئی الجھن، اشتباہ یا ابہام و اجمال نہ ہو، اور نہ اُسے سمجھنے کے لیے کسی تاریخی پسِ منظر کو جاننے کی ضرورت ہو، وہاں تو عربی لغت ہی تفسیر کا واحد ماخذ ہے، لیکن جہاں کوئی ابہام و اجمال پایا جارہا ہو، یا جو آیت کسی واقعاتی پسِ منظر سے وابستہ ہو یا اس سے فقہی احکام مستنبط کیے جارہے ہوں، وہاں محض لغت کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، ایسی صورت میں تفسیر کی اصل بنیاد تو خود قرآن کریم سنتِ نبویہ ﷺ اور آثارِ صحابہؓ و تابعینؒ پر ہوگی، لیکن ان مآخذ کے بعد لغتِ عرب کو بھی سامنے رکھا جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان ایک وسیع زبان ہے، اور اس میں ایک ایک لفظ کئی کئی معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور ایک ایک جملے کے متعدد معنی ہوسکتے ہیں، لہٰذا صرف لغت کی بنیاد پر ان میں سے کوئی مفہوم معین کرنا مغالطوں کا سبب بن جاتا ہے، اسی بناء پر بعض حضرات نے "مطلق لغت" کو مستقل ماخذ ماننے سے ہی انکار کیا ہے، بلکہ امام محمدؒ کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ وہ لغت کے ذریعے قرآن کریم کی تفسیر کو مکروہ قرار دیتے تھے، لیکن علامہ زرکشیؒ فرماتے ہیں کہ اُن کا مقصد تفسیر میں لغت کو بالکلیہ نظرانداز کرنا نہیں تھا، بلکہ مقصد یہ تھا کہ کسی آیت کے ظاہر اور متبادر معنی کو چھوڑ کر ایسے معانی بیان کرنا ممنوع ہے، جو قلیل الاستعمال اور دور از کار لغوی تحقیقات پر مبنی ہوں، ظاہر ہے کہ قرآن کریم عرب کے عام محاورات کے مطابق نازل ہوا ہے، لہٰذا جس جگہ قرآن و سنت یا آثار صحابہؓ میں کسی لفظ کی تفسیر موجود نہ ہو،

وہاں آیت کی وہ تفسیر کی جائے گی جو اہلِ عرب کے عمومی محاورات میں متبادر طور پر سمجھی جاتی ہو، ایسے مواقع پر اشعارِ عرب سے استدلال کر کے کوئی ایسے قلیل الاستعمال معنی بیان کرنا بالکل غلط ہے جو لغت کی کتابوں میں تو لکھے ہوئے ہیں، لیکن عام بول چال میں استعمال نہیں ہوتے، اس کو ایک واضح مثال سے سمجھیے، قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اُن کی قوم نے پانی کی فرمائش کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ:

﴿اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾ (البقرہ، آیت ۶۰)

اپنی لاٹھی پتھر پر مارو

یہ جملہ کسی زبان جاننے والے کے سامنے جب بولا جائے گا وہ صراحۃً اس کا یہی مطلب سمجھے گا کہ لاٹھی کو پتھر پر مارنے کا حکم دیا جارہا ہے، چنانچہ اس جملے کی یہی تفسیر صحیح اور معتبر ہے، لیکن سرسید احمد خان صاحب نے لغت کے دور از کار حوالوں کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا کہ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ ''لاٹھی کے سہارے اس چٹان پر چلو''، اس میں **اِضْرِبْ** کے معنی ''مارو'' کے بجائے ''چلو'' اور **الحجر** کے معنی ''پتھر'' کے بجائے ''چٹان'' بیان کرنا ایک ایسی زبردستی ہے جس کی تائید میں اگر لغت کی کتابوں کا ایک آدھا حوالہ مل بھی جائے تو عام محاوراتِ عرب اس کی بالکلیہ تردید کرتے ہیں، امام احمدؒ نے لغت کے ذریعہ اسی قسم کی تفسیریں بیان کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے، اور ظاہر ہے کہ لغت سے اس طرح کا کام لینے کو کوئی بھی عقل وانصاف رکھنے والا شخص درست نہیں کہہ سکتا۔

⑥ تفسیر القرآن بالعقل السلیم

(قرآن کریم کی تفسیر عقلِ سلیم سے)

عقلِ سلیم کی ضرورت یوں تو دنیا کے ہر کام کے لیے ہے، اور ظاہر ہے کہ پچھلے چار ماٰخذ سے استفادہ بھی اس کے بغیر ممکن نہیں ہے، لیکن یہاں اس کو ایک مستقل ماخذ کے طور پر ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم کے اسرار و معارف ایک ناپیدا کنار سمندر کی حیثیت رکھتے ہیں، مذکورہ بالا پانچ ماٰخذ کے ذریعے اس کے مضامین کو بقدرِ ضرورت تو سمجھا جاچکا ہے، لیکن جہاں تک اس کے اسرار و حکم اور حقائق و معارف کا تعلق ہے اُن کے بارے میں کسی بھی دَور میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اب اُن کی انتہاء ہوگئی ہے، اور اس سلسلے میں مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہیں ہے، اس کے بجائے واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے ان حقائق و اسرار پر غور و فکر کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے، اور جس شخص کو بھی اللہ تعالیٰ نے

علم وعقل اور خشیت اور انابت کی دولت سے نوازا ہو وہ تدبر کے ذریعہ نئے نئے حقائق تک رسائی حاصل کرسکتا ہے، چنانچہ ہر دور کے مفسرین اپنی اپنی فہم کے مطابق اس باب میں اضافہ کرتے آئے ہیں، اور یہی وہ چیز ہے جس کی دعا آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے لیے فرمائی تھی:

((اَللّٰھُمَّ فَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِیْلَ))

یا اللہ اس کو تفسیر کا علم اور دین میں سمجھ عطا فرما

لیکن اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس طرح عقل وفہم سے مستنبط کیے ہوئے وہی حقائق واسرار معتبر ہیں جو دوسرے شرعی اصول اور مذکورہ بالا پانچ مآخذ سے متصادم نہ ہوں، اور اگر اصولِ شرعیہ کو توڑ کر کوئی نکتہ بیان کیا جائے تو اس کی دین میں کوئی قدر وقیمت نہیں ہے۔

----***----